کتاب پر تبصرہ

کتاب کا نام: سیاحتِ سلطانی سفر نامہ روائے بھوپال نواب سلطان جہاں بیگم

مصنفہ: میمونہ سلطان

ناشر: اوکسفورڈ

اس سے قبل ۱۹۱۴ء میں مفید عام آگرہ پریس، آگرہ سے شائع ہوئی

سال اشاعت: ۲۰۰۸ء

صفحات: ۹۸

قیمت: ۱۹۵ روپے

تبصرہ نگار: فرح گل بقائی*

سرورق

یہ سفر نامہ میمونہ سلطان کا تحریر کردہ ہے جو حکمرانِ نواب حمید اللہ خان کی شریک حیات بنیں اور بیگم آف بھوپال کہلائیں۔ انہوں نے یہ سفر نامہ اپنی ہونے والی ساس سلطان جہاں بیگم کی ہمرائی میں کیا اور انہیں کی فرمائش پر ضبطِ قلم کیا۔

سفرنامہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اوّل میں بھوپال سے لندن تک کے سفر کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ در اصل اِس سفر کا مقصد والئی بھوپال ''سرکار اماں'' اپنے بیٹے کے علاج کے لیے جرمنی جانا تھا اور لندن میں شاہ جارج پنجم کی رسم تاج پوشی میں شرکت کرنا تھا۔ اِس کتاب میں تاج پوشی کی رسم کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔

کتاب کے دوسرے حصے میں جنیوا، بلقان، ترکی اور اٹلی کے سفر کا بیان ہے۔ ترکی کے قیام والا حصہ اِس سفرنامہ کا نقطۂ عروج ثابت ہوا اور اس کے اختتام پر سلطنتِ عثمانیہ کے فرماں روا نے

* سینئر ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیقِ تاریخ و ثقافت، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

سلطان جہاں بیگم کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے موئے مبارک کے نایاب تحفے سے نوازا۔ ترکی میں قیام کے بعد، فلورنس اور اسکندریہ سے ہوتے ہوئے واپس بمبئی اور اپنے گھر بھوپال پہنچیں۔

مصنفہ کے بارے میں

اس سفرنامہ میں مصنفہ میمونہ سلطانہ (۱۹۰۱ء تا ۱۹۸۲ء) ہیں وہ افغانستان کے معزول بادشاہ شاہ شجاع کی پڑپوتی تھیں۔ اِن کا شجرہ براہ راست فاتح پانی پت احمد شاہ ابدالی سے جا ملتا ہے۔ اس سفرنامہ اور تحریر کا مقصد میمونہ سلطان کی تعلیم اور تربیت کا حصہ تھا۔ میمونہ سلطان اُس وقت دس سال کی بچی تھیں۔

سفرناموں کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ آپ گھر بیٹھے دنیا کی مختلف جگہوں کی سیر کر لیتے ہیں اور آپ کے اندر یہ تحریک کروٹ لیتی ہے کہ آپ کے پاس بھی ایسے مواقع اور وسائل آئیں کہ اِن جگہوں کو خود جا کر دیکھ سکیں۔

یہ کتاب کیونکہ ۱۹۱۱ء میں لکھی گئی تھی اس لیے اس کتاب کی افادیت تاریخی لحاظ اور زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ قاری اُس وقت یعنی جنگیں عظیم سے پہلے حالات کا جائزہ لے سکتا ہے۔

پھر جن خوبیوں کا ذکر کتاب میں فرانس کی قوم کے لیے مصنفہ نے کیا کہ یہ لوگ نفاست پسند اور ہر چیز میں خوبصورتی اُجاگر کرتے ہیں یہ خوبی آج بھی بدرجہ اتم اُن میں موجود ہے۔ کچھ خوبیاں نسل درنسل چلی آ رہی ہوتی ہے۔ دنیا میں گھومنے پھرنے سے آدمی اُن خوبیوں اور خامیوں کا بغور جائزہ لے سکتا ہے اور خود انسان اُن سے بہت کچھ سیکھ بھی سکتا ہے اگر اُس نے اپنی یہ حِس بیدار رکھی ہو۔

سرورق

میمونہ سلطان کا خاندان اس وقت پشاور میں سکونت پذیر تھا۔ جب پانچ سال کی عمر میں ہی سلطان جہاں بیگم نے انہیں اپنے سب سے چھوٹے بیٹے نواب حمید اللہ خان کے لیے پسند کر لیا تھا۔ اسی لیے سلطان جہاں بیگم نے اپنی ہونے والی بہو کو مغربی اور مشرقی دونوں طرح کے علوم سے آراستہ کیا۔

میمونہ سلطان نے اِس سفرنامے کا حق تالیف مع مصاف طبع محمدن گرلز اسکول علی گڑھ کی نذر

کیا ہے اور تحریر کیا ہے کہ ''میری بہنوں کی تعلیم کی بہت سی اُمیدیں وابستہ ہیں اور جس کی مدد کرنا خواہ کیسی ہی حقیر یا عظیم الشان مدد ہو حسبِ توفیق ہم سب کا پہلا فرض ہے''۔

اس سفر نامہ کا اقتباس شہر یار محمد خان لکھتے ہیں۔ جو پاکستان کے خارجہ امور کے سیکرٹری رہ چکے ہیں۔ان کا تعلق بھوپال سے ہے۔The Begums of Bhopal کے مصنف ہیں جو لندن سے شائع ہوئی۔ یہ کہانی اُن کے ننھیال کی ہے۔ مصنفہ اُن کی نانی تھیں۔ بقول شہر یار کے کہ میمونہ صرف نو سال کی تھیں جب انہوں نے یہ سفر کیا اور اپنی ہونے والی ساس کے کہنے پر سفر کی ڈائری لکھی اور ۱۹۱۴ء میں اِس کو کتاب کی شکل دی گئی۔

اقتباس میں شہریار خان نے خاندان کی مختصر تاریخ لکھی ہے کہ یہ خاندان بیگمات کے زیر اثر کیسے آیا اور بیگمات نے کس خوبی سے اپنی ذمہ داریاں نبھائیں۔

یہ سفر تین وجوہ کی بنا پر کیا گیا۔

پہلا یہ تھا کہ سلطان جہاں بیگم جو ''سرکار اماں'' کے نام سے مخاطب کی جاتیں تھیں اُن کے منجھلے بیٹے عبداللہ عارضہ قلب میں مبتلا تھے اور ڈاکٹروں نے اُن کو ہدایت دی تھی کہ وہ صحت افزاء مقام ''ناہم'' جائیں جو جرمنی میں واقعہ ہے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ برطانوی شاہی خاندان کی وفادار حامی ہونے کی حیثیت سے سرکار اماں نے اپنے یورپ کے دورے کے لیے ایسے وقت کا چناؤ کیا کہ وہ شاہ جارج پنجم کی رسم تاج پوشی میں بھی شرکت کر سکیں۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ روشن خیال اور دُور اندیش خاتون ہونے کی حیثیت سے سرکار اماں یورپ کے سماجی اور تعلیمی شعبوں میں ہونے والی ترقی کا بذاتِ خود جائزہ لینا چاہتی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اسلامی دنیا کے عرب اور ترک معاشروں کے ساتھ بھی روابط بڑھانا چاہتی تھیں۔

مصنفہ کتاب کے صفحہ ۸۹ میں لکھتی ہیں کہ ''واپسی میں جب فلارنس سے برنڈزی کو روانہ ہوئے۔ راستے میں جا بجا ریلوں میں اٹلی کی فوجیں نظر آئیں۔ جو طرابلس جانے والی تھیں۔ ان فوجیوں کی صورتوں سے پریشانی اور مایوسی برس رہی تھی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ جبراً یہ لوگ بھیجے جا رہے ہیں۔ ہر سپاہی پر ایک خوفناک بدحواسی طاری تھی۔''

یہ سفر تقریباً چھ(٦) ماہ اور ۱۲(بارہ) یوم کا تھا

خدام کی تربیت

سلطان بیگم کا اُس وقت بھی یہ خیال تھا کہ خدام کی تربیت ہونی چاہیے۔ تا کہ وہ سلیقہ، عقل اور صفائی سے ایک گھر کو عمدہ طریقہ سے سنبھالیں۔

انسان سیروتفریح کے لیے کہیں بھی جائے اُسکو کوئی ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جو اُس کے آبائی علاقہ سے مُماثلت رکھتی ہیں۔

میمونہ سلطان جب بحرالاحمر کے کنارے پر کوہِ سِنا پہنچی وہ لکھتی ہیں یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت نوحؑ کی کشتی آ کر ٹھہری تھی اور حضرت موسیٰؑ نے خدا کے نور کو دیکھنا چاہا تھا مگر اُس کی تاب نہ لا سکے اسی جگہ حضرت موسیٰؑ کو نبوت کا درجہ ملا۔

سفر کی تیاری اور الوداعی پارٹیز، پھر مصنفہ نے بھوپال سے بمبئی تک کے سفر کی پوری روداد لکھی ہے۔''رات کے آٹھ بجے ہم بمبئی کے اسٹیشن وکٹوریہ ٹرمینل پر پہنچے یہ اسٹیشن سنا جاتا ہے کہ ہندوستان بھر میں سب سے بہتر اور خوشنما عمارت ہے اور ہم نے تو یورپ میں بھی اس سے بڑا اور شاندار اسٹیشن شاید ہی کوئی دیکھا ہو۔''

اسٹیشن سے پھر اپالو بندر پر داخل ہوئے جہاں پہلے سب عازمینِ یورپ کا طبی معائنہ ہوا پھر بحری جہاز میں بیٹھے یہ جہاز تھوڑا چھوٹا تھا۔ کچھ فاصلے پر ایک بہت بڑا بحری جہاز تھا جو کسی ہوٹل سے کم نہ تھا۔ یہاں سب سہولیات میسر تھیں۔

ٹائم کا فرق

مصنفہ نے لکھا ہے کہ ہر ایک ہزار میل کے فاصلے پر تقریباً ایک گھنٹے کا فرق رونما ہو جاتا ہے۔ ہندوستان سے عدن قریباً ۱۷۰۰ میل کے فاصلے پر مغرب کی جانب واقع ہے اس لیے یہاں وقت کوئی ڈیڑھ گھنٹے کا فرق ہو گیا تھا۔

عدن پہلے سلطنت ترکی کا حصہ تھی اب قریباً ستر برس سے برطانیہ کے قبضہ میں ہے۔ یہاں تقریباً ہر قوم کے فرد آباد ہیں۔

دو شنبہ کو ان کا بحری جہاز بندر سویز پہنچا۔ سویز میں تازہ پھل بکثرت ملتے ہیں اور لوگ یہاں میں لا کر فروخت کرتے ہیں ان بیچنے والوں کو ہر زبان میں مہارت ہوتی تھی اتنی مہارت ہوتی تھی کہ ان کا کام نکل جائے مصنہ گو یہ دیکھ کر خوش ہوئیں کہ یہ اُردو بھی بول سکتے ہیں۔

ترکی خواتین کے متعلق میمونہ سلطان تحریر کرتی ہیں کہ ترکی مستورات انگریزی لباس پہنتی ہیں اور معاشرت یورپین طریق پر ہے۔ مذہب سے ہنوز ان کا دلی تعلق باقی ہے۔لیکن آزادی کی موج روز بروز بڑھ رہی ہے۔ رسم پردہ کم ہوتی جاتی ہے۔ اگر یہی رفتار رہی تو غالباً مصر کی سی حالت ہو جائے گی یہ کتاب ۱۹۱۴ء میں چھپی یوں لگتا ہے کہ ہم لباس کے معاملے میں ہر دور میں حساس رہے ہیں۔تعلیم میں وہ ترقی نہیں جو سنی جاتی تھی تاہم ترقی کے آثار نمایاں ہیں۔

بزرگ عام طور پر سیروسیاحت اور سفر کے بارے میں بہت سی کہاوتیں اور باتیں ذہن میں مسخر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک تو ''سفر وسیلہ ظفر'' یعنی سفر کرنے سے آپ کو کامیابی، فتح یابی، خوش نصیبی حاصل ہوتی ہے۔ اب یہ سفرعلم حاصل کرنے کا ہو، تجارت کا، علاج معالجہ کا یا سیرو تفریح کا تمام پہلوؤں میں کامیابی اور کامرانی کے ساتھ منسلک ہے۔

سفر نامہ میمونہ سلطان کا ہو یا ابن بطوطہ کا، مستنصر حسین تارڑ کا سب کا متبع مختلف قوموں کی خوبیاں یا کمزوریوں کا ذکر ہوتا۔ وہاں کی آب و ہوا، کھانے پینے کی عادات، صفائی اور سلیقہ مندی کا ذکر ہوتا ہے۔ اس سے قاری اندازہ لگا سکتا ہے کہ کون سی قوم جفاکش، محنتی، علم اور دانش میں سبقت رکھتی ہے۔ اور کون سے لوگ کمزور اور مجبور ہیں۔ یہ لوگ کہاں بستے ہیں اور وہ ایسے کیوں ہیں۔ انسان کی انسانوں میں دلچسپی ایک فطری عمل ہے اور یہ معلومات بین الاقوامی سطح میں پالیسی بنانے، تجارت، سیروسیاحت میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

New Publication of NIHCR

Pakistan: Its Ancient Hindu Temples and Shrines

by

Shaikh Khurshid Hasan

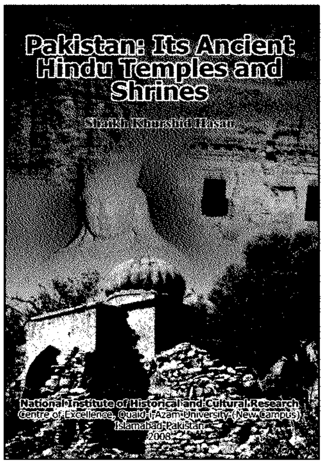

About The Book

It has given me great pleasure to read through the manuscript on Ancient Hindu Temples and Shrines in Pakistan by Shaikh Khurshid Hasan who has taken advantage of his long association with the Department of Archaeology, Government of Pakistan. His presentation is remarkable and I hope that the book will create interest among scholars who have love for the monuments in Pakistan. I am sure the present book will be of great use to all those scholars who like to know more and more about the ancient monuments in Pakistan.

The present book presents a deep survey of the Hindu monuments and I am sure this will be of great use to all the scholars and students who like to know more about the monuments in Pakistan. The survey is thorough and the presentation is scholarly. It will certainly be of great use to all the students of ancient period.

I congratulate the author for collecting all the material and present it in a useful manner for the use of students and all the scholars. The association of Mr. Khurshid Hasan with the Department has enabled him to collect all the data and present for the use of one and all.

I hope the book will be of great use to all those who have interest in the subject. I congratulate the author for writing this book.

Prof. A.H. Dani

SEND YOUR SUBSCRIPTION NOW

National Institute of Historical and Cultural Research
Centre of Excellence, Quaid-i-Azam University (New Campus)
PO Box No. 1230, Islamabad - Pakistan.